قرآن مجید کا اہلِ کتاب سے خطاب

سید جلال الدین عمری

قرآن مجید نے مشرکین عرب اور اہلِ کتاب سے براہِ راست خطاب کیا اور انھیں دینِ حق کی دعوت دی۔ 'اہلِ کتاب' کی اصطلاح اس نے یہود و نصاریٰ کے لیے جن کے پاس خدا کی نازل کردہ کتابیں توریت اور انجیل تھیں، استعمال کی ہے۔ گوکہ یہ مقدس کتابیں مسلسل تحریفات کی وجہ سے اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں تھیں تاہم اہلِ کتاب ہونے کا انھیں امتیاز ضرور حاصل تھا۔

مشرکین عرب کا دین ہی دینِ شرک تھا۔ توحید کا تصور بھی ان کے لیے گراں گزر رہا تھا۔ لیکن اہلِ کتاب کا دامن بھی شرک سے پاک نہ تھا۔ یہود کے ایک طبقہ نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیحؑ ابن اللہ تھے۔ قرآن نے کہا ان کا محض دعویٰ ہے۔ اس کی وہ کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ	یہود نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور
اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ	نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے یہ
ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ	ان کی زبانوں سے نکلی ہوئی (بے سند)
بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ	بات ہے۔ یہ ان سے پہلے کے کافروں
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ	کے قول سے مشابہت اختیار کر رہے
اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ○	ہیں۔ اللہ انھیں ہلاک کرے۔ یہ کہاں
(التوبۃ: ۳۰)	بھکے جا رہے ہیں۔

اس پہلو سے ان کے اور مشرکین عرب کے درمیان ایک گونہ مماثلت پائی جاتی تھی قرآن مجید نے صاف الفاظ میں ان کی طرف کفر و شرک بھی منسوب کیا ہے[1] لیکن اس کے

[1] ملاحظہ ہو۔ البقرہ، ۱۰۵۔ المائدہ، ۱۷، ۷۲، ۷۳، ۷۸، الحشر، ۲۔ البینۃ، ۱،۶۔

باوجود وہ توحید، وحی و رسالت، کتب سماوی، آخرت اور جزا و سزا جیسے اساسات دین کے اصولی طور پر قائل تھے اس لیے قرآن مجید نے انھیں مشرکین سے الگ شمار کیا اور دونوں کے درمیان بعض احکام میں فرق بھی کیا ہے۔

مشرکین عرب خود بھی یہود و نصاریٰ کو اپنے سے جدا اور صاحب کتاب مانتے تھے اور ان کی عظمت کے قائل تھے۔ قرآن مجید ان کے سامنے اس حیثیت سے آیا کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے۔ اسے قبول کرکے وہ راہ ہدایت پا سکتے ہیں۔ اب کتاب کے نہ ہونے کا وہ کوئی عذر نہیں کرسکتے۔ چنانچہ فرمایا توریت خدا کی طرف سے ہدایت اور رحمت بن کر آئی تھی اور اس میں احکام شریعت کی تفصیل موجود تھی۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ	یہ کتاب مبارک ہم نے نازل کی ہے
مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ	پس تم اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے
تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ	رہو۔ امید ہے تم پر رحم ہوگا۔ تاکہ تم یہ نہ کہو
اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ	کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں
مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ	پر نازل ہوئی تھی اور ہم نہیں جانتے تھے
دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ	کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ یا تم یہ کہو کہ اگر
تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ	کتاب ہم پر نازل ہوتی تو ہم ان سے
لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ (الانعام: ۱۵۵، ۱۵۷)	زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

یہ آیت صراحتاً بتاتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو مشرکین عرب اہل کتاب اور خود کو غیر اہل کتاب سمجھتے تھے۔ اس فرق و اختلاف کے باوجود بعض باتیں ان کے درمیان مشترک بھی تھیں۔ عرب کے مشرکین صدیوں سے آسمانی ہدایت سے محروم تھے اور اہل کتاب خدا کی کتاب رکھتے ہوئے بھی دین حق سے برگشتہ اور منحرف ہو چکے تھے۔ دونوں کا حضرت ابراہیم سے نسلی تعلق تھا اور اس پر وہ نازاں بھی تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کو مشرکین نے بڑی حد تک فراموش کردیا اور اہل کتاب انھیں یہودیت اور نصرانیت کا علمبردار ثابت کرنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے تھے۔ جب کہ حضرت ابراہیمؑ کا دامن شرک سے پاک تھا اور ان کی دعوت توحید خالص کی دعوت تھی۔ یہودیت و نصرانیت نے حضرت ابراہیم کے بہت بعد جنم لیا اور اس نے جو شکل اختیار کرلی اس کا ان سے کوئی

تعلق نہ تھا۔

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا — ابراہیم یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ بلکہ
وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا — ہر طرف سے یکسو اور خدا کا فرماں بردار تھا
مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران: ۶۷) — اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

اسلام کی دشمنی میں دونوں برابر کے شریک اور ایک دوسرے کے معاون تھے۔ اس دشمنی میں اہلِ کتاب یہاں تک کہہ بیٹھتے تھے کہ اسلام کے ماننے والوں سے مشرکین عرب زیادہ ہدایت یافتہ اور راست رو ہیں۔

هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ — یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہِ راست
اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۵۱) — پر ہیں۔

یہ پس منظر تھا جس میں قرآن مجید نے مشرکین اور اہلِ کتاب سے خطاب کیا۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کی وساطت سے دنیا کی ان قوموں سے بھی خطاب کیا جو کسی آسمانی ہدایت کے تصور سے خالی ہیں جو شرک، بت پرستی اور اوہام و خرافات میں مبتلا اور بے سمجھے بوجھے باپ دادا کے رسوم و رواج اور قدیم روایات کی پابند ہیں اور ان قوموں کو بھی اپنا مخاطب بنایا جو کوئی آسمانی کتاب رکھتی ہیں یا اپنے پاس آسمانی کتاب کے ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ اس طرح اس نے بالواسطہ ساری دنیا کے فساد عقیدہ و عمل پر تنقید کی اور ان پر راہِ ہدایت واضح کی۔ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے صحیفہ ہدایت ہے اور یہ اس کا ایک لازمی تقاضا ہے۔

اہلِ کتاب کی تاریخ بعض پہلوؤں سے بڑی شاندار رہی ہے۔ یہ تاریخ نبوت و رسالت، دینی امامت و قیادت اور حکومت و ریاست کی تاریخ ہے۔ وہ اپنے وقت میں دنیا کے امام اور قائد تھے اور خدا کی طرف سے سب سے افضل قرار دیے گئے تھے۔

يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ — اے بنو اسرائیل یاد کرو میرے احسان
الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ — کو جو میں نے تم پر کیا تھا اور یہ کہ میں نے
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ: ۴۷) — تمہیں تمام عالم پر فضیلت عطا کی۔

یہ مضمون سورۂ جاثیہ میں زیادہ واضح ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ — ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب، حکومت

الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ	اور نبوت سے سرفراز کیا اور کھانے کے
وَرَزَقْنَاھُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ	لیے پاک چیزیں عطا کیں اور انھیں سارے
فَضَّلْنَاھُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ۝ (الجاثیہ:۱۶)	عالم پر فضیلت بخشی۔

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔

اُذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ	یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے
اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَاءَ وَجَعَلَکُمْ	تم پر کیا۔ جب کہ اس نے تم میں انبیا پیدا
مُلُوْکًا وَّاٰتَاکُمْ مَا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا	کیے، تم کو فرماں روا بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا
مِّنَ الْعَالَمِیْنَ ۝ (المائدہ: ۲۰)	جو عالم میں کسی کو نہیں دیا تھا۔

اہل کتاب کی تاریخ کے ان تابناک پہلوؤں کے ساتھ اس کے تاریک پہلو بھی رہے ہیں۔ ان تاریک پہلوؤں پر وہ کبھی پوری طرح قابو نہ پا سکے بالآخر زوال اور پستی کی آخری حد کو پہونچ گئے۔ وہ بار بار خدا کے غضب کا نشانہ بنتے رہے۔ ذلت وخواری کی وہ تمام شکلیں انھیں دیکھنی پڑیں جو خدا کی کسی مغضوب قوم کو دیکھنی پڑتی ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ اَیْنَ	جہاں کہیں وہ پائے گئے ان پر ذلت
مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ	کی مار پڑی۔ سوائے اس کے کہ انھیں اللہ
وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ	کی مدد اور انسانوں کی مدد ملی ہو۔ وہ اللہ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَضُرِبَتْ	کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ ان پر محتاجی
عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ	و درماندگی مسلط کر دی گئی۔ یہ اس وجہ سے
کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ وَ	کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے
یَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ	اور پیغمبروں کو انھوں نے ناحق قتل کیا۔
ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا	یہ سب ان کی نافرمانی اور زیادتیوں کی وجہ
یَعْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۱۲)	سے ہوا[1]

خدا کا غضب جن شکلوں میں ان پر نازل ہوتا رہا اس کا ذکر سورۂ مائدہ میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

---

[1] الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ آیت سورۂ بقرہ میں بھی آئی ہے۔ البقرہ: ۶۱

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن
ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ ۚ مَن
لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَ
جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ
مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝
(المائدہ: ۶۰)

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں
اس سے برا انجام کیا ہے؟ ان لوگوں کا انجام
ہے جن پر اللہ کی لعنت ہوئی اور اس کا غضب
نازل ہوا اور جنھیں اللہ نے بندر اور سور
بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔
ان کا انجام زیادہ برا ہے اور وہ سیدھی
راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید نے اہلِ کتاب کے سامنے ان کی فکری اور عملی گمراہیوں کی تاریخ رکھی، ان کی سرکشی اور بغاوت کی داستان سنائی، ان کی دنیا پرستی اور آخرت فراموشی کا ذکر کیا۔ خدا اور رسول کو ماننے کے باوجود جس طرح انھوں نے قدم قدم پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب کیا اس کا احوال سنایا اور بتایا کہ ان پر خدا کی نعمتوں اور احسانات کی مسلسل بارش ہوتی رہی لیکن انھوں نے ہمیشہ ناشکری اور ناسپاسی کا رویہ اختیار کیا۔

قرآن مجید نے ان تحریفات کی بھی نشاندہی کی جو توریت اور انجیل میں کی گئیں۔ ان میں خدا کی طرف اس کی عظمت کے منافی صفات منسوب کی گئیں، اس کی شان کے خلاف باتیں کہی گئیں، پیغمبروں کی سیرت و کردار کو داغدار بنایا گیا۔ ان پر گھناؤنے الزامات لگائے گئے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف ہی نہیں کی بلکہ بڑے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔ حتیٰ کہ ان کے ہاتھ بعض پیغمبروں کے قتل تک سے رنگین ہوئے۔ قرآن نے ان کی تحریفات و تلبیسات کا پردہ ہی چاک نہیں کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کتابوں کی اصل تعلیم کیا تھی، خدا کے پیغمبروں نے انھیں کیا ہدایات دی تھیں اور ان سے کن باتوں کا عہد و پیمان لیا تھا۔

قرآن مجید نے اس سوال کا بھی جواب دیا کہ اہل کتاب میں بگاڑ کا آغاز کیسے ہوا اور اس کے کیا مادی اور نفسیاتی عوامل تھے؟ اس نے تفصیل سے ثابت کیا کہ ان میں وہ تمام اسباب جمع ہو گئے تھے جو کسی قوم کو ابدی زوال اور پستی کی طرف لے جاتے ہیں اور جس کے بعد اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوتا۔

اس میں شک نہیں ان میں نیک اور صالح افراد بھی تھے جن کا دامن ان گندگیوں سے بڑی حد تک پاک تھا جو ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کی سلیم الطبعی اور

فطری خوبی نے انھیں راہِ راست پر قائم رکھا تھا۔ وہ حق و باطل میں فرق کر سکتے تھے اور اسے قبول کرنے کی ان میں جرأت و ہمت بھی تھی اور وہ قبول کر بھی رہے تھے۔ ان کی حیثیت خس و خاشاک کے ڈھیر میں جواہر ریزوں کی تھی۔ قرآن مجید نے ان کی تعریف و توصیف کی[1] اس طرح تنقید اور جائزہ میں توازن باقی رکھا اور عدل و انصاف کی مثال قائم کی۔

اہلِ کتاب کی یہ ایک مستند تاریخ ہے۔ اس لیے کہ خود انھوں نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا اور اسے غلط نہیں قرار دیا۔ یہ ایک نبی امّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ہے۔

قرآنِ مجید نے اس پوری بحث کو محض تاریخ رہنے نہیں دیا بلکہ اہلِ کتاب کو اصل دین کی طرف رجوع کی دعوت دی اور کہا کہ اسے قبول کر کے وہ اپنی ہی کتابوں پر عمل کریں گے۔ اس سے ان کا انحراف اپنی ہی کتابوں سے انحراف ہوگا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ	اے اہلِ کتاب تمہاری کوئی بنیاد نہیں
تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ	ہے جب تک کہ تم توریت اور انجیل کو اور
وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ	اس کتاب کو جو تمہارے رب کی طرف سے
وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم	تمہاری طرف نازل کی گئی ہے قائم نہ کرو
مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ	(اے پیغمبر!) جو کتاب تم پر تمہارے رب
طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ	کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ ان میں
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○	سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کو مزید
(المائدہ: ۶۸)	بڑھا دے گی۔ جو لوگ کفر کرنے والے
	ہیں تم ان پر افسوس نہ کرو۔

مزید فرمایا دینِ حق کو قبول کرنا ان کے لیے کفارۂ سئیات ثابت ہوگا، ان کی اب تک کی غلطیاں معاف ہو جائیں گی اور ان کے لیے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ دنیا کی نعمتوں اور آسائش و راحت کے بھی وہ مستحق قرار پائیں گے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ	اگر وہ توریت اور انجیل کو اور جو ان
وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم	کی طرف ان کی رب کی طرف سے نازل
مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ	کیا گیا ہے اسے قائم کرتے تو ان کے اوپر
وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۚ	اور نیچے سے انھیں رزق عطا ہوتا اور وہ

[1] ملاحظہ ہو آل عمران: ۷۵، ۱۱۳، ۱۹۹؛ المائدہ: ۸۲-۸۵

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۞ (المائدہ : ٦٦)

اسے کھاتے۔ ان میں سے ایک گروہ سیدھی راہ پر ہے، لیکن برا ہے ان میں سے بیشتر جو کچھ کر رہے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا کہ اگر وہ گروہ خدا کی آخری ہدایت کو قبول کرلیں تو اپنے نبی پر ایمان لانے کے اجر کے ساتھ آخری نبی پر ایمان لانے کے ثواب سے بھی نوازے جائیں گے اور انھیں نورِ ہدایت نصیب ہوگا جس سے ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں اور آدمی دینِ حق کی روشنی میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ کامیابی اور کامرانی کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں سے خطاب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ (الحدید : ۲۸)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے دے گا اور تمہیں نور عطا کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے اور تمہاری مغفرت کرے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

دنیا کے عروج و زوال اور آخرت کی کامیابی و ناکامی کے بارے میں وہ بڑی بھیانک غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ وہ کامیابی کو اپنا حق سمجھے تھے حالانکہ اس کے لیے خدا کے ہاں کچھ متعین ضابطے ہیں۔ یہ ضابطے ناقابلِ تغیر ہیں۔ یہ کسی فرد یا قوم کی خواہشات کے تابع نہیں ہیں ورنہ عروج کے بعد دنیا زوال نہ دیکھتی اور ہر شخص خدا کے انعام و اکرام کا سب سے زیادہ خود کو مستحق سمجھتا۔ اہلِ کتاب کو غرور تھا کہ وہ پیغمبروں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے خدا کے پیارے اور اس کے محبوب ہیں۔ یہ ان کی خام خیالی تھی۔ اسی نے انھیں معصیت پر جری بنا رکھا تھا۔ ان کا خیال صحیح ہوتا تو ان کی معصیت کی وجہ سے ان پر بار بار عذابِ الٰہی کے تازیانے نہ برستے اور وہ ہمیشہ کے لیے اس کی پکڑ سے محفوظ ہوتے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم

یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے کہو تو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ٥ (المائدہ: ۱۸)	دیتا ہے۔ بلکہ تم اسی طرح بشر ہو جس طرح اس نے دوسرے انسان پیدا کیے۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی ملک ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

انھیں جب اپنی بعض بھیانک غلطیوں کا احساس ہوتا تو کہتے کہ اس کی سزا چند دن کی ہوگی۔ اس کے بعد ہمارے لیے جنت ہی جنت ہے۔ اس بے دلیل اور بے سند بات کی قرآن نے تردید کی اور خدا کے قانونِ مکافات کو واضح کیا۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ: ۸۰، ۸۲)	وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔ سوائے اس کے کہ چند روز کی سزا مل جائے۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کرسکتا یا اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ ہاں جس نے بھی برائی کا ارتکاب کیا اور برائی نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تو ایسے سب لوگ جہنم میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے یہ سب جنت والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک جگہ کہا گیا کہ انسان جھوٹی تمناؤں اور آرزوؤں سے جنت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ایمان و عمل صالح شرط لازم ہے۔ جس کی کتاب حیات اس سے خالی ہوگی اور بدکاری کی زندگی اس نے گزاری ہوگی وہ اپنے نتائج بد سے بچ نہیں سکتا۔

اسے ان کا سامنا لازماً کرنا ہوگا۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ	کامیابی کا دارومدار نہ تمہاری آرزوؤں
اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا	پر موقوف ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں
يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ	پر۔ جو بھی برا عمل کرے گا اس کی اسے جزا
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ	ملے گی۔ وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی دوست
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ	اور مددگار نہ پائے گا اور جو بھی مرد یا عورت
اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ	عمل صالح انجام دے گا اور وہ مومن ہوگا
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ	تو یہ سب جنت میں جائیں گے اور ذرہ برابر
نَقِيْرًا ۝ (النساء: ۱۲۳، ۱۲۴)	ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔

ایک اور جگہ واضح کیا گیا کہ خدا کا کسی گروہ سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے قانونِ عدل کے تحت ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور
هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ	جو یہودی، نصرانی یا صابی ہوئے تو ان
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ	رکھے اور عملِ صالح اختیار کرے تو ان
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	کے رب کے پاس ان کا اجر ہے انھیں
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ: ۶۲)	نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۱]

اس طرح ایمان کی کمزوری، مادی اغراض کے غلبہ، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی ترجیح، خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے گریز، موت کے خوف، نفس اور خواہش کی پیروی، قومی اور نسلی غرور، آپس کی پھوٹ اور گروہ بندی نے یہود کو مستحق لعنت بنا دیا اور وہ ہمیشہ کے لیے خدا کی رحمت سے دور کر دیے گئے۔ ان کے مقابلہ میں نصاریٰ کو رہبانیت، دنیا سے بیزاری اور غلو فی الدین جیسی بیماریاں لگ گئیں۔ یہود کی حیثیت ایک مادہ پرست قوم کی اور نصاریٰ کی ایک راہبانہ گروہ کی ہوگئی۔ ان کا دینی اور اخلاقی اعتبار

---

[۱] یہ مضمون سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سورۂ حج آیت نمبر ۱۷۔

ختم ہوگیا۔ ان کا وجود گواہی دے رہا تھا کہ دنیا کے اسٹیج پر انھیں جو کردار ادا کرنا تھا وہ کردار اب وہ ادا نہیں کرسکتے۔ وہ اس قابل نہیں رہ گئے ہیں کہ دنیا کی امامت وقیادت کا منصب سنبھال سکیں۔ اس کے بعد خدا کے فیصلے کے تحت آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، آپؐ کی قیادت میں امت مسلمہ صفحۂ عالم پر ابھری، اس کا تزکیہ ہوا، اس کے عقیدہ وعمل کی اصلاح ہوئی، خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہوا، اس کے کردار اور سیرت کو رفعت اور بلندی عطا ہوئی۔ اسے ان خرابیوں سے پاک کیا گیا جن میں دنیا کی دوسری قومیں مبتلا تھیں۔ اس کی راہ میں سخت ترین آزمائشیں آئیں لیکن اس نے دین کا دامن نہیں چھوڑا۔ حکومت واقتدار سے اس کے اندر معصیت اور بغاوت کے جذبات نہیں ابھرے بلکہ اسے اس نے خدا کی مرضی کے تابع رکھا۔ اسے امم عالم میں 'خیر امت' کے مقام پر فائز کیا گیا اور کہا گیا کہ تمہیں دنیا کی اصلاح کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (آل عمران: ۱۱۰) اسے 'امت وسط' کا لقب دیا گیا۔ جو ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک اور ایک متوازن شاہِ راہ حیات پر گامزن رہے۔ نہ اسے کسی سے عداوت اور نفرت ہے اور نہ وہ کسی کی بے جا طرف داری کرتی ہے۔ اس کی ذمہ داری دنیا کے سامنے حق کی شہادت دینا ہے (البقرہ: ۱۴۳) اس کے بارے میں اعلان ہوا کہ اس کے ہاتھ میں اقتدار آئے گا تو وہ خدا اور بندوں کے حقوق فراموش نہیں کرے گی بلکہ نماز قائم کرے گی۔ زکوٰۃ دے گی، معروف کا حکم دے گی اور منکر سے باز رکھے گی۔ (الحج: ۴۱)

امت مسلمہ کو اس منصب پر فائز کرنے کے ساتھ اسے بار بار ہدایت کی گئی کہ وہ اہل کتاب کی تاریخ سے سبق حاصل کریں۔ ان کی روش نہ اختیار کریں، وہ خدا کو بھولے تو خود کو بھی فراموش کر بیٹھے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ	ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ
نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ	کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں ان کا نفس
أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (الحشر: ۱۹)	بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔

جب کوئی قوم خدا کو بھول جاتی ہے اور اس کی ہدایات کو نظر انداز کرنے لگتی ہے تو اپنے مرتبہ ومقام سے غافل ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر اپنی حیثیت اور اپنی

ذمہ داریوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔ خدا فراموشی خود فراموشی تک پہونچا دیتی ہے جو قوم خود فراموشی میں مبتلا ہو جاتی ہے وہ انجام بد کی طرف بڑھنے لگتی ہے اور بالآخر تباہی اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔

کسی ملت کے پاس خدا کی کتاب کا ہونا یا اس کا خدا کے رسول پر ایمان رکھنا اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے بگاڑ سے محفوظ ہو گئی۔ جن قوموں کے پاس خدا کی کتاب تھی جب ان میں اس سے ہدایت حاصل کرنے کا جذبہ سرد پڑ گیا اور اسے انھوں نے پس پشت ڈال دیا تو وقت گزرنے کے ساتھ ان پر قساوتِ قلب چھا گئی۔ دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے اور خدا اور رسول کی تعلیمات ان کے لیے بے اثر ہو کر رہ گئیں۔ اس سے چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا	ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھیں
الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ	اس سے پہلے کتاب دی گئی پھر جب
الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ	ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے
مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝	دل سخت ہو گئے۔ ان میں سے بہت سے
(الحدید: ۱۶)	فسق و نافرمانی میں گرفتار ہیں۔

خدا کی کتاب امت کو جوڑنے اور متحد کرنے کے لیے آتی ہے۔ حدیث کے الفاظ میں یہ 'حبل اللہ المتین' ہے۔ جب تک امت اللہ کی اس رسی کو خلوص کے ساتھ پکڑے رہتی ہے دنیا اور آخرت کی کامیابیاں اس کی منتظر رہتی ہیں۔ وحدت کی یہ اساس جب ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے تو امت کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور چاروں طرف سے تباہی اور بربادی اس کے دروازوں پر دستک دینے لگتی ہے۔ یہی صورت حال اہل کتاب کے ساتھ پیش آئی۔ کتاب اللہ کی بنیاد پر ان میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکتا تھا لیکن بغاوت اور سرکشی کے جذبات نے انھیں اس بنیاد پر متحد ہونے نہ دیا۔ وہ گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ دوسرے سے دست و گریباں رہنے لگا۔ امتِ مسلمہ کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی فلاح کا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام ذاتی و گروہی رجحانات کو خدا کے احکام کا تابع بنا دے اور خدا کی کتاب کو سرچشمہ ہدایت مان کر اس کی روشنی میں اپنا سفر حیات طے کرے۔

وَلَا تَكُونُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران : ۱۰۵)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور دلائل کے آنے کے بعد اختلافات میں پڑ گئے۔ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

سورۂ یونس میں یہ مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (یونس: ۹۳)

ہم نے بنو اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا اور کھانے کے لیے پاکیزہ غذائیں عطا کیں۔ لیکن وہ اختلافات میں نہیں پڑے مگر اس وقت جب کہ ان کے پاس علم آیا۔ بے شک تمہارا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کردے گا۔[1]

قرآن مجید نے ہر نازک موقع پر کہیں اشاروں میں کہیں صراحت کے ساتھ، کہیں اختصار سے اور کہیں تفصیل سے ہدایت کی کہ ان کا دامن ان کم زوریوں اور آلائشوں سے پاک ہونا چاہیے جو اہل کتاب میں پیدا ہو گئی ہیں اور انھیں ان خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے جو ان کے منصب کے شایانِ شان ہیں۔ اسی سے وہ خدا کی ابدی رحمت کے مستحق اور دین و دنیا کی کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔

قرآن مجید نے شرک پر زبردست تنقید کی، اس کی کم زوریاں واضح کیں اور اس کے مقابلے میں توحید خالص کا تصور پیش کیا۔ اس موضوع پر قرآن مجید نے اتنی مدلل اور پرزور بحث کی کہ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے شرک کا اعتبار ختم ہو گیا اور وہ توجیہات و تاویلات کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔ اب وہ عقل کے میدان میں کبھی اپنا وجود ثابت نہیں کر سکتا۔ شرک کی تردید اور توحید کے اثبات پر قرآن کی روشنی میں ہماری زبان میں بڑا مستند اور بڑا وقیع کام ہوا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا جانا چاہیے اور بحمد اللہ فائدہ اٹھایا بھی جا رہا ہے۔

---

[1] یہ مضمون سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۱۴ اور سورۂ جاثیہ آیت نمبر ۱۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید نے اہل کتاب سے بھی سنجیدہ بحث کی اور عقلی اور نقلی دلائل اور تاریخی حقائق کے ذریعہ ان پر حجت تمام کردی۔ ان کی تاریخ میں عبرت و نصیحت کے جو پہلو ہیں وہ بھی واضح کردئے۔ یہ موضوع اردو کے لیے گو بالکل نیا نہیں ہے لیکن اس پر نسبتاً کم کام ہوا ہے۔ جو ہوا ہے اس کی قدر و قیمت کے اعتراف کے باوجود یہ احساس ہوتا ہے کہ اس وسیع موضوع کے بہت سے گوشے بحث و تحقیق اور غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اسی احساس کے تحت میں نے ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کے رفیق برادر عزیز ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی سے درخواست کی کہ وہ اس موضوع کو اپنائیں اور قرآن مجید کی روشنی میں اس کا مطالعہ کریں۔ اس کی شرح و تفسیر کی حد تک حدیث، تاریخ، کتب تفسیر اور صحف سماوی سے مدد لیں۔ ڈاکٹر رضی الاسلام سنجیدہ اور وسیع المطالعہ عالم دین ہیں۔ ان کی محنت اور کدوکاوش کا حاصل اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کی جو تصویر کشی کی ہے انھوں نے نہ صرف اسے ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے ان کی تاریخ میں عبرت کے جو پہلو ہیں انھیں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں نمایاں کردیا ہے۔

میں نے کتاب شروع سے آخر تک دیکھی ہے۔ اس کی تحریر و تسوید کے دوران میں بھی وہ برابر مشورہ کرتے رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے اس موضوع پر ایک مفید اور معتبر تحریر تیار ہوگئی ہے۔ کوئی علمی کوشش حرف آخر نہیں ہوتی البتہ اس کے بارے میں اتنی بات شاید غلط نہ ہوگی کہ مزید تحقیق کے لیے یہ ایک اچھی بنیاد بن سکتی ہے۔ آج کل مطالعۂ مذاہب سے دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ کتاب میں اس ذوق کی تسکین کا اہل کتاب کی حد تک کافی سامان موجود ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے بھی اس کی افادیت کم نہیں ہے۔ اس سے وہ اہل کتاب کے بارے میں اسلام کے موقف کو بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کی روشنی میں دیگر مذاہب کے مطالعہ کا ذوق ابھر سکتا ہے اور ان کے ماننے والوں سے بحث و گفتگو میں بھی اس سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصنف کی اس کوشش کو قبولیتِ عام سے نوازے اور انھیں دین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار

جلال الدین عمری

۱۱ر ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ / ۲۱ر مارچ ۱۹۹۷ء